محمد سعید صدیقی

اسلامی نظام تعلیم

اللہ تعالٰی نے اس کائناتِ ارض و سمٰوات کی تخلیق کے بعد اس میں بسانے اور آباد کرنے کے لیے مختلف مخلوقات تخلیق فرمائیں جو بنیادی اور اساسی اعتبار سے تین مختلف انواع میں منقسم تھیں ۔ (۱) حیوانات (۲) جنات (۳) ملائکہ ان انواع کی تخلیق کے بعد ایک چوتھی مخلوق انسان کی تکوین فرمائی ۔ زمین ، آسمان اور چار جاندار مخلوقات کی تکوین و تخلیق کے بعد ضرورت اس بات کی پیش آئی کہ اس زمین کی خلافت کسی ایک مخلوق کو دے دی جائے ۔ اس منصب و عہدے کے لیے دو مخلوقات میں مقابلہ و موازنہ کیا جا سکتا تھا ، انسان اور ملائکہ ۔ بارگاہِ الٰہی سے اپنے قرب ، اللہ تعالٰی کی کمال فرمانبرداری اور ہمہ وقت تسبیح و تحمیدِ خداوندی میں مشغول رہنے کے باعث ملائکہ اس منصب کے لیے اپنے آپ کو زیادہ اہل سمجھتے تھے اور اس بات کے خواہاں تھے کہ یہ خلعت ہمیں عطا کر دی جائے ۔ لیکن جب بارگاہِ الٰہی سے آدم کی تخلیق کے بعد یہ اعلان ہوا :

" انی جاعل فی الارض خلیفة " (البقرة : ۳۰)

(میں اسے (آدم کو) زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں)

فرشتے اس غیر متوقع اعلان کو سن کر حیران ہوئے اور اپنی حیرت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ۔

" أتجعل فیها من یفسد فیها و یسفک الدماء " (البقرة : ۳۰)

(کیا آپ ایسی مخلوق کو خلیفہ بنا رہے ہیں کہ جو زمین میں فساد پھیلائے گی اور خون بہائے گی ۔)

آدم کی ظاہری تخلیق کے اعتبار سے اور ان عناصر کی رو سے جن سے آدم کی تخلیق کی گئی تھی ، یہ حیرت اور سوال

بے جا نہ تھا ۔ خلافت پر اپنی حیرت کے بیان کے ساتھ ملائکہ نے اپنی توقعات کا اظہار بھی کنایۃً کیا اور عرض کیا :۔

" ونحن نسبح بحمدک و نقدس لک " (البقراہ : ۳۰)

(ہم (اے اللہ) آپ کی تعریف کرتے ہیں اور آپ کی پاکیزگی کو بیان کرتے رہتے ہیں)

یعنی ایک جانب وہ مخلوق ہے کہ جو ہمہ وقت تسبیح و تحمیدِ الٰہی میں مشغول ہے اور ہر اعتبار سے فساد و سفکِ دماء سے محفوظ اور صلاح و فلاح کی ضامن ہے اور دوسری جانب وہ مخلوق کہ جو ایسے خمیر سے تیار کی گئی ہے کہ جو زمین میں خونریزی اور فساد کی صورتیں پیدا کرے گی اور کائنات کے نظام کو جو ایک منظم شکل میں جاری ہے ، خراب کرنے کی سعی و جدوجہد کرے گی ۔ ملائکہ کی نظر انسان کی ظاہری ساخت کی جانب تھی ، اس کی باطنی ، قلبی اور ذہنی صلاحیتوں کا ابھی علم نہ تھا ۔ چنانچہ بارگاہِ الٰہی کی جانب سے اس سوال کے دو جوابات دیے گئے :۔

" أنی أعلم ما لا تعلمون " (البقرہ : ۳۰)

(میں جانتا ہوں وہ کچھ جو تم نہیں جانتے)

الٰہی علم و قدرت جن وسعتوں کو حاوی ہے ، اور ملائکہ کو جس کا بخوبی اندازہ تھا ، یہ حاکمانہ جواب کافی تھا ۔ لیکن اللہ تعالٰی نے صرف اس حاکمانہ جواب پر اکتفا کرنے کی بجائے ایک جواب مزید دیا جو حکیمانہ تھا :۔

" وعلم آدم الأسماء کلها ثم عرضهم علی الملٰئکة فقال انبئونی باسمآء هٰولاء ان کنتم صٰدقین ۔ قالوا لاعلم لنا الاماعلمتنا انک انت العلیم الحکیم ۔ قال یا آدم أنبئهم بأسمائهم فلمآ أنبأهم بأسمائهم ، قال ألم أقل لکم إنی أعلم غیب السمٰوٰت والأرض و أعلم ما تبدون و ماکنتم تکتمون "

(البقرہ : ۳۱ تا ۳۳)

(اور آدم کو وہ تمام نام سکھا دیے، پھر ان چیزوں کو ملائکہ پر پیش کیا اور کہا کہ مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو ۔ ملائکہ نے کہا ہمارے پاس تو کوئی علم نہیں سوائے اس کے جو تو نے ہمیں سکھایا ہے ۔ بے شک

تو بڑا علم والا اور بڑی حکمت والا ہے - پھر اللہ نے کہا اے آدم تم ان چیزوں کے نام بتاؤ - جب آدم نے ان چیزوں کے نام بتا دیے تو اللہ نے کہا، کیا میں نے نہ کہا تھا کہ میں زمین و آسمان کے غیب جاننے والا ہوں اور میں جانتا ہوں وہ بھی جس کا تم اظہار کرتے ہو اور وہ بھی جس کو تم چھپاتے ہو -)

اس امتحان و آزمائش میں کامیابی کے بعد آدم کو زمین میں خلیفہ بنا دیا گیا - اس آزمائش میں انسان کا ملائکہ سے باعتبار علم موازنہ و مقابلہ کیا گیا اور اس موازنے میں علم کی بنا پر آدم کو ترجیح حاصل ہے ، تو وہ فضیلت علم کی بنا پر ہے - انسان جب تک اپنی اس صفتِ علمی سے متصف رہے گا ، ملائکہ پر اپنی تخلیقی فوقیت کو برقرار رکھنے والا ہو گا ، لیکن جب وہ علم کے دامن کو چھوڑے گا ، قعر مذلت میں ڈال دیا جائے گا -

علمی اساس و بنیاد پر آدم کی اس ترجیح کے بعد اولادِ آدم میں پھر بعض اقوام ، امم ، ملل اور قبائل کو کسی نہ کسی سبب کی بنا پر ایک دوسرے پر ترجیح دی اور اولادِ آدم میں سب سے افضل و برتر مقام انبیاء کو دیا - نبوت ورسالت ایک وہبی عطیۂ الٰہی ہے جو انسانی کاوش و محنت سے حاصل نہیں کیا جاسکتا - بلکہ اللہ تعالٰی اپنے بندوں میں سے کچھ بندوں کا اصطفا و اجتبا فرمانے کے بعد انہیں خلعتِ نبوت عطا کرتا ہے - لیکن انبیا اپنے علم ، عمل اور تقوے کے اعتبار سے قوم کے ممتاز ترین افراد میں سے ہوتے ہیں -

ایک خاص وقت و زمانہ اور ایک مخصوص قوم کا نبی اس وقت ، زمانے اور قوم میں احکامِ الٰہی کا سب سے زیادہ جاننے والا ہوتا ہے - مزید برآں اس کی تربیت کے ایسے ذرائع اور وسائل اختیار کیے جاتے ہیں کہ اس کے علم میں کسی قسم کے نقصان ، کمی یا کجی کا احتمال نہ رہے - چنانچہ حضرت موسیٰ کا حضرت خضر کے ساتھ سفر ایک علمی سفر تھا کہ وہ علم وہبی و لدنّی جو اللہ تعالٰی نے حضرت خضر کو دیا تھا ،

" وعلمناه من لدنا علما " (الکہف : ٦٥)

اس سے حضرت موسیٰ کو جو احکام الٰہی کے اس وقت کے سب سے بڑے عالم تھے ، کچھ حصّہ دیا جائے اور حضرت خضر کی صحبت سے ان کی تربیت کی جائے ۔ انبیا علیہم السلام کو اللہ کی طرف سے جو بھی نعمتیں دی جاتی ہیں ، علم ان نعمتوں کی تتمیم و تکمیل کا فریضہ سر انجام دیتا ہے ۔

" ویعلمک من تأویل الأحادیث و یتم نعمتہ علیک وعلٰی آل یعقوب کما أتمھا علٰی أبویک من قبل إبراھیم و اسحٰق ، إن ربک علیم حکیم " (یوسف : ٦)

(اور تم کو علوم دقیقہ بھی دے گا مثلاً خوابوں کی تعبیر کا علم دے گا اور نعمتیں دے کر تم پر اور یعقوب کے خاندان پر اپنا انعام کامل کرے گا ، جیسا کہ اس سے قبل تمھارے آباو اجداد یعنی ابراھیم و اسحق (علیھما السلام) پر اپنا انعام کامل کر چکا ہے ۔ واقعی تمھارا رب بڑے علم اور بڑی حکمت والا ہے ۔)

" کما أرسلنا فیکم رسولاً منکم یتلوا علیکم اٰیٰتنا ویزکیکم و یعلمکم الکتاب و الحکمة و یعلمکم مالم تکونوا تعلمون"
(البقرہ : ١٥١)

(جس طرح ہم نے تم لوگوں میں ایک عظیم الشان رسول بھیجا تم ہی میں سے ، جو ہماری آیات پڑھ کر تم کو سناتے ہیں اور (جہالت سے) تمھاری صفائی کرتے رہتے ہیں اور تم کو کتاب الٰہی اور فہم کی باتیں بتاتے رہتے ہیں ، اور تم کو ایسی مفید تعلیم دیتے ہیں جن کی تم کو پہلے خبر بھی نہ تھی ۔)

حضرت نوح علیہ السلام کو اپنی قوم پر جو فضیلت و برتری حاصل تھی وہ یہ تھی :۔

" أبلغکم رسٰلٰت ربی و انصح لکم و اعلم من اللہ مالاتعلمون "
(الاعراف : ٦٢)

(تم کو اپنے پروردگار کے احکام پہنچاتا ہوں اور تمھاری خیر خواہی کرتا ہوں اور میں خدا کی طرف سے ان امور کی خبر رکھتا ہوں جن کی تم کو خبر نہیں ۔)

اسی طرح دیگر انبیاءکرام کے متعلق بھی جہاں ان کے مناصبِ نبوت و رسالت بیان کیے گئے یا قوم میں ان کے مقام

کو واضح کیا گیا ، علم اور اشاعتِ علم کو اساسی اہمیت دی گئی ۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر علم ، علم کہلانے اور ہر اہلِ علم ، اہلِ علم کہلانے کا مستحق نہیں ۔ بلکہ علم کی چند شرائط اور اہلِ علم میں کچھ اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے ۔ ہر علم انسانی زندگی ، سیرت اور اس کے کردار پر اثر انداز ہوتا ہے ۔ اس اثر پذیری کو دو انواع میں منقسم کیا جا سکتا ہے ۔ مثبت اثرات اور منفی اثرات ۔ قرآنی تعلیمات اور نبوی تفہیمات جس اثر کو مثبت اثر سے تعبیر کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ علم انسانی زندگی کی تربیت کرے ، اس کے اخلاق و کردار میں حسن پیدا کرے ، کیونکہ علم کے حصول کا مقصد یہ ہے کہ انسان کا وہ علم دوسروں کے لیے منفعت کا ذریعہ بنے ، ارشادِ نبوی ہے :-

" خیر کم من تعلم القرآن و علمہ " [1]

(تم میں سے بہتر وہ لوگ ہیں جو کہ خود بھی قرآن کریم سیکھیں اور دوسروں کو بھی سکھائیں ۔)

معلوم ہوا کہ امت کے وہ افراد اخیار میں شمار ہونگے جو تلاوتِ قرآن اور علم کتاب وحکمت سیکھ کر دوسروں کی علمی ترقی کا سبب بنیں ۔ انسان کے اندر یہ نفع پذیری اسی وقت آسکتی ہے جبکہ اس کا اخلاص کجروی سے پاک ہو ۔ اخلاص میں کجی اور سیرت و عادات میں خرابی ذہنِ انسانی میں یہ بات پیدا کرے گی کہ میں سب سے بڑا عالم ہوں ، اور اس بات کا پیدا ہونا علم کی اشاعت میں بخل کا نقطۂ آغاز ہوگیا کہ کل کلاں میرے مقابلے میں کوئی صاحبِ علم و دانش پیدا نہ ہوجائے ، چنانچہ احکامِ الٰہی کی رو سے وہ علم جو انسانی اخلاق میں حسن پیدا کرے ، اس کی سیرت اور اس کے کردار کی تعمیر کرے ، علم کہلانے کا مستحق ہے ۔ جو علم اس صفت سے متصف نہ ہو علم کہلانے کا مستحق نہیں ، سیرت و کردار کی تعمیر کی ایک بنیاد فراہم کر دی گئی کہ :

---

[1] بخاری ، امام محمد بن اسمعیل ، الجامع الصحیح ، اصح المطابع ج ۲ ص ۷۵۲ باب خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ ، کتاب فضائل القرآن

" انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء" (فاطر : ۲۸)
(بے شک اللہ کے بندوں میں سے علماء اللہ سے زیادہ ڈرتے ہیں ـ)

انسانی زندگی اسی صورت میں کسی تعمیری ترقی کی طرف گامزن ہو سکتی ہے جب کہ اس کے اندر خشیتِ الٰہی اور خوفِ خدا کے جذبات پیدا ہو جائیں ـ انسان اپنے معاشرہ و معاش کی اصلاح صرف خشیتِ الٰہی کے جذبات ہی سے کر سکتا ہے ـ لہذا تعلیم کے ذرائع ایسے ہونے چاہئیں ، نظامِ تعلیم ایسے منہاج پر مرتب و مربوط ہونا چاہیے کہ انسانی زندگی میں علم میں اضافے کے ساتھ ساتھ خشیتِ الٰہی کے وصف میں اضافہ ہوتا رہے۔ اور وہی درحقیقت اسلام کا نظام تعلیم ہوگا ـ آئیندہ اوراق میں ان بنیادوں پر اسلامی نظامِ تعلیم پر اختصار کے ساتھ بحث کی جائے گی ـ

اسلامی نظامِ تعلیم پر بحث کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس نظام کا تاریخی حیثیت سے جائزہ لیا جائے اور دیکھا جائے کہ تاریخ اسلامی کے مختلف ادوار میں اس نظام کو کن کن مناہج پر مرتب کیا گیا اور وہ اس وقت کی ضرورت کے لیے کس حد تک مفید ، منفعت بخش اور بارآور تھا ـ

علوم اسلامیہ کا اصل سرچشمہ اور منبع احکامِ الٰہی ہیں، دنیا میں ان احکام کی اشاعت و تبلیغ کے لیے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے اور ایک فرشتے کو متعین کر دیا گیا جس کے ذمے یہ فریضہ عائد تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک جس قدر بھی انبیا و رسل علیہم السلام آئے ہیں ، ان تک اللہ کے احکام مختلف صورتوں میں پہنچائے ـ اللہ کے یہ احکام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک جن مختلف صورتوں سے آتے تھے ، اس کو ایک آیت سے واضح کیا جاتا ہے :

" ماکان لبشر أن یکلمہ اللہ إلا وحیاً أومن ورآء حجاب أویرسل رسولاً فیوحی بإذنہ ما یشآء " (الشوریٰ : ۵۱)
(کسی بشر کے لیے ممکن نہیں کہ وہ اللہ سے کوئی کلام کر سکے سوائے اس کے ، اللہ اس پر وحی کرے یا پس پردہ کلام ہو

یا اللہ اپنا کوئی قاصد اس کی طرف بھیجے اور وہ اللہ کی اجازت سے اس پر وحی نازل کرے ۔)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی معلم اس دنیا میں نہ تھا ۔ بلکہ آپ کی تعلیم اور تربیت براہِ راست بارگاہِ الٰہی کی جانب سے ہوتی تھی ۔ اس تعلیم و تربیت کی جو صورتیں بیان کی گئی ہیں وہ حسب ذیل ہیں :-

۱ ۔ نبی تک عین کلامِ الٰہی یا منشاء الٰہی بغیر کسی واسطے کے پہنچے ۔

۲ ۔ نبی بغیر کسی واسطے کے اللہ کا کلام سنے ۔

۳ ۔ کوئی معین شخص اللہ کی وحی اللہ کے رسول تک پہنچائے ۔ [۲]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کے سوال پر کہ آپ پر وحی کس طرح نازل ہوتی ہے ، جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا :-

" احیاناً یأتینی مثل صلصلة الجرس و ھو أشد علی فیفصم عنی وقد وعیت عنه ما قال و احیاناً یتمثل لی الملک رجلافیکلمنی فأعی ما یقول " [۳]

(کبھی مجھے گھنٹی کی سی آوازیں آتی ہیں ، یہ مجھ پر سب سے زیادہ شدید ہوتی ہے ۔ جب یہ کیفیت مجھ سے جدا ہوتی ہے تو میں اس کو اپنے ذہن میں محفوظ کیے ہوئے ہوتا ہوں اور کبھی فرشتہ کسی آدمی کی شکل میں مجھ پر ظاہر ہوتا ہے اور مجھ سے بات کرتا ہے اور جو جو بات وہ کرتا ہے ، میں اسے یاد کر لیتا ہوں ۔)

نبی کریم کے اس ارشاد میں نزول وحی کی دوصورتیں بیان کی گئی ہیں :-

۱ ۔ مثل صلصلة الجرس :

---

[۲] امام فخرالدین رازی ، التفسیر الکبیر ، طہران دارالکتب العلمیة ، جلد ۲۷ ، ص ۸۷ ۔ ۸۶

[۳] صحیح بخاری ۔ ج ۱ ۔ ص ۲ ۔ باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یہ وہی صورت ہے جو قرآن کریم میں الاوحیا میں بیان کی کی گئی ہے ۔

۲ ۔ یتمثل لی الملک رجلا :

میں اویرسل رسولاً والی صورت واضح کی گئی ہے ۔ [۴]

جیسے حدیث سوال جبرئیل میں حضرت جبرئیل کسی اجنبی کے روپ میں آئے تھے ۔ [۵]

یہ دو عمومی صورتیں تھیں ۔ ایک مزید صورت احادیث سے سمجھ میں آتی ہے ، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم تک کلام الٰہی ، اس کے معانی ، توضیحات اور آداب و طریق پہنچانے کا اہتمام کیا تھا ۔ حدیثِ امامت جبرئیل جس میں نبی کریم کو دو دن حضرت جبرئیل نے نمازیں پڑھائیں اور پھر اس بات کی صراحت کی کہ مجھے بارگاہ الٰہی سے یہ حکم اس طرح پہنچانے کا حکم دیا گیا تھا ۔ [۶]

معلوم ہوا کہ علوم و احکام الٰہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک اس طریق سے پہنچائے جاتے تھے ۔ پھر نبی کریم کو یہ حکم بھی دے دیا گیا کہ یہ تمام احکام آپ اپنے تک محدود نہ رکھیں بلکہ اس کا بیان ، اس کی وضاحت اور اس کی تفصیلات امت کو پہنچائیں ۔

" یآأیها الرسول بلغ ما أنزل إلیک من ربک فأن لم تفعل فما بلغت رسالتهٔ " (المائده : ٦٧)

(اے رسول آپ کے رب کی جانب سے جو کچھ نازل کیا جاتا ہے آپ اس کی اشاعت کیجئے ، اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ نے رسالت کا حق ادا نہ کیا ۔)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر احکام الٰہی کسی صورت میں نازل ہوں ، آپ ان کی اشاعت و تبلیغ اور ان کو امت تک

---

[۴] أو من و ر آء حجاب والی صورت اس لیے بیان نہیں کی گئی کہ وہ کثیر الوقوع نہ تھی ۔

[۵] صحیح بخاری ۔ کتاب الایمان ۔ ج ۱ : ص ۱۱ : باب سوال جبرئیل النبی صلی اللہ علیہ وسلم

[۶] ایضاً ج ۱، ص ۷۵، باب مواقیت الصلوة وفضلها ،کتاب الصلوة

پہنچانےکا اہتمام کریں ۔ اس کے بیان سےکسی قسم کا خوف اور ڈر مانع نہیں ہونا چاہیئے :

" واللہ یعصمک من الناس" (المائدہ : ٦٧)

کیونکہ نبی کریم منبع کبریٰ سے علوم الٰہیہ مخلوق تک پہنچانے کے لیے برزخ کبریٰ کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ ان علوم کو نبی کریم نے صحابہ کرام تک کس طرح پہنچایا اور صحابہ نے کس اہتمام سے ان علوم کو اخذ کیا اور زندگی کے ہرشعبے میں ان علوم الٰہی اور تعلیمات نبوی کو کس طرح حرز جان بنایا ۔ اس پر اختصار کے ساتھ بحث کی جائے گی کہ اسلامی نظام تعلیم کے یہی دو منابع اور سرچشمے ہیں ۔

عہد نبوی میں طریقہ ہائے تعلیم

نبی کریم کی نبوت و رسالت کے جو مقاصد قرآن میں ذکر فرمائے گئے ہیں ۶ ان کے مطابق آپ پر تین ذمہ داریاں عائد کی گئیں ۔

۱ ۔ تلاوتِ آیت اللہ

۲ ۔ تعلیمِ کتاب و حکمت

۳ ۔ تزکیہ نفوس

ان مقاصد پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تین میں سے دو مقاصد علم سے متعلق ہیں اور علم کا مقصد نفوس کو آلائش و نجاست سے پاک کرنا ہے ۔ چنانچہ وحی کی ابتدا بھی غار حرا میں " اقراء " سے کی گئی ۔ عہدِ نبوت کا مکی دور ایک عبوری دور تھا جس میں تعلیم و تربیت تو تھی مگر نظام تعلیم و تربیت نہ تھا ۔ ہجرت مدینہ منورہ کے بعد سب سے پہلا کام مسجدِ نبوی کی تعمیر تھا ۔ مسجدِ نبوی صرف ایک مسجد نہ تھی بلکہ وہ ایوانِ مملکت و حکومت ، عدالت ، عسکری منصوبہ بندی کا مرکز اور سب سے بڑھ کر تعلیم و تربیت کا ایک ادارہ تھی ۔ ھجرتِ مدینہ اور تأسیس مسجد نبوی کے بعد تعلیم کتاب و حکمت کا کام زیادہ منظم شکل میں انجام پانے لگا اور تزکیہ نفوس کے مؤثر نتائج سامنے آنے لگے ۔ صفہ کی شکل میں عالم اسلام کی پہلی اسلامی یونیورسٹی اور مرکز تربیت

منصۂ ظہور پر آیا ۔ اس مرکز تعلیم کا نصاب قرآن کریم کی تلاوت ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس کی تفسیر اور آپ کی زندگی سے ملنے والی اس کی عملی ہیئت و شکل کا مطالعہ تھا ۔ اور اس کی اساس و بنیاد اس بات پر تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی جانے والی ہر بات صداقت پر مبنی ہے ۔ اس میں لغزش کا کوئی احتمال نہیں پایا جاتا ۔ متعدد مواقع پر خود نبی کریم نے اس کی تاکید فرمائی اور ارشاد فرمایا :

" من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار " [۷]

(جس نے مجھ سے جان بوجھ کر جھوٹ منسوب کیا ، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے ۔)

اس اساس و بنیاد پر حصولِ علم کی تاکید بارہا مختلف مواقع پر مختلف صحابہ کرام کو فرمائی ۔ حضرت ابوہریرۃؓ کے ایک سوال پر آپ نے ابو ہریرۃؓ کی تعریف کی اور فرمایا

" لقد ظننت یا أبا ھریرۃ أن لا یسألنی عن ھذا الحدیث أحد أول منک لما رائیت حرصک علی الحدیث " [۸]

(مجھے یقینی طور پر خیال تھا کہ ابوہریرہ تم سے پہلے کوئی یہ بات مجھ سے نہ پوچھے گا ، کیونکہ میں نے تمہارا یہ شوق حدیث میں دیکھ لیا تھا ۔)

علاوہ ازیں مختلف صحابہ کرام کے لیے علمی ترقی کی دعائیں بھی کیں ۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے لیے دُعا کرتے ہوئے فرمایا :

" اللّٰھم علمہ الکتاب " [۹]

(اے اللہ اسے کتاب (قرآن) کا علم عطا کر ۔)

مزید برآں ایک اصولی اور بنیادی امر جو سُنّتِ رسولؐ سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی

---

[۷] صحیح بخاری ۔ کتاب العلم ، ج ۱ ، ص ۱۲۱ ، باب الاثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

[۸] ایضاً ، ج ۱ ، ص ۲۰ ۔ باب الحرص علی الحدیث ، کتاب العلم

[۹] ایضاً ، ج ۱ ، ص ۱۷ ۔ باب قول النبیؐ علمہ الکتاب

بات ارشاد فرماتے ہوئے اس کا اہتمام کرتے تھے کہ مخاطب ارشاد گرامی کو پوری طرح سمجھ لے اور اچھی طرح ذہن نشین کر لے ۔ حضرت انس کی روایت امام بخاری نقل کرتے ہیں:

" أنه كان إذا تكلم بكلمة أعادها ثلاثة حتى تفهم عنه" [10]

(نبی کریم جب گفتگو فرماتے تو ہر کلمے کو تین مرتبہ لوٹاتے یہاں تک کہ وہ پوری طرح سمجھ میں آ جائے ۔)

یہ ایک کلی اصول تھا جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مداومت کے ساتھ عمل تھا ۔ اسی طرح کسی زیادہ اہم بات کو ارشاد فرمانے سے پہلے تمہیدی کلمات تین مرتبہ لوٹانے یا مخاطب کو تین دفعہ متوجہ کرنے کا معمول بھی منقول ہے ۔ ابوہریرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں، آپ نے فرمایا :

" رغم أنف ثم رغم أنف ثم رغم انف قيل لمن يا رسول الله صلى الله عليه وسلم ؟ " [11]

(خاک آلودہ ہوئی اس کی ناک ، خاک آلودہ ہوئی اس کی ناک خاک آلودہ ہوئی اس کی ناک ، پوچھا گیا کس کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ؟)

اس توجہ کے بعد ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو پیرانہ سالی میں پایا اور اپنے آپ کو ان کی خدمت سے جنت میں داخل نہ کیا ۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی کریم کے ایک سفر کے واقعہ کو بیان کرتے ہیں جس میں حضرت معاذ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے ۔

" قال يا معاذ بن جبل قال لبيك يا رسول الله و سعد يك ، قال يا معاذ قال لبيك يا رسول الله و سعد يك ثلاثة" [12]

---

[10] ایضاً ، ج ۱ ، ص ۲۰ ، باب من اعاد الحدیث ثلثا لیفہم ، کتاب العلم

[11] امام ابوالحسن مسلم بن الحجاج القشیری ۔ الجامع الصحیح ، کراچی ۔ اصح المطابع ۔ ج ۲ ، ص ۳۱۴ ۔ باب فضل صلة صدقة للاب والام و نحوهما ۔ کتاب البر و الصلة و الادب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی خبر دینے کے لیے کہ جس نے صدق دل سے لا الہ الا اللہ کہا ، اس پر اللہ تعالیٰ آگ حرام کر دیتا ہے ، حضرت معاذ کو پہلے تین مرتبہ اپنی طرف متوجہ کیا ۔

صحابۂ کرام، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف مواقع و مراحل پر متنوع سوالات کیا کرتے تھے اور آپ ان کا بکمال اطمینان جواب دیتے تھے ۔ سوال و جواب کے لیے کوئی مخصوص مجلس ، کوئی متعین وقت یا خاص کیفیت نہ تھی ۔ بلکہ صحابۂ کرام آپ سے دوران سفر ، مجلس میں یا مسجد میں حتیٰ کہ رمی جمار کے وقت سوال کرتے اور آپ ان کو جواب مرحمت فرماتے ۔ [۱۳]

اسی طرح ایک مرتبہ خواتین نے اپنے لیے ایک دن مخصوص کرنے کی درخواست کی تو آپ نے ان کے لیے ایک دن مخصوص کر دیا ۔ اس دن آپ ان کے سوالات کے جوابات دیتے اور انہیں وعظ و نصیحت کرتے ۔ [۱۴]

ان متفرق روایات کے پیش نظر اس نظام تعلیم کی جو اساسیات ہمارے سامنے آتی ہیں ، معلم و متعلم کے لیے جو طرق و آداب سکھائے گئے ہیں ، وہ حسب ذیل ہیں :

(۱) جھوٹ اور دروغ گوئی سے اجتناب
(۲) حرص علی العلم پر اظہار خوشی
(۳) علم میں اضافے کے لیے دعا
(۴) ہر بات سمجھانے کے انداز میں کہی جائے
(۵) کسی زیادہ اہم بات کی تمہید یا مخاطب کو متوجہ کرنے کے لیے الفاظ پہلے بار بار دہرائے جائیں ۔

---

[۱۲] بخاری ۔ جلد ۱ ، ص ۲۳ ۔ باب من خص بالعلم قوما دون قوم ۔ کتاب العلم

[۱۳] ایضاً ۔ جلد ۱ ۔ ص ۲۳ ۔ باب السوال عند رمی الجمار ، کتاب العلم

[۱۴] ایضاً ۔ جلد ۱ ۔ ص ۲۰ ۔ باب هل یجعل للنساء یوم علی حدة ، کتاب العلم ۔

(٦) سوالات سے نہ گھبرانا اور ان کا جواب بکمال اطمینان دینا ۔

(۷) خواتین کی تعلیم و تربیت کے لیے کوئی وقت یا دن مخصوص کر دینا ۔

(۸) کسی صحابی کو سفر پر بھیجتے ہوئے ، یا کسی علاقے کی قضا و امارت سپرد کرتے وقت بنیادی امور کی نصیحت کرنا ۔

(۹) قبل از ہجرت آپ نے اہلِ مدینہ کی تعلیم کا اہتمام کیا اور بیعت عقبہ اولٰی کے بعد ایک معلم بھیجا ۔ ابن ہشام لکھتے ہیں :

" فلما انصرف عنه القوم بعث رسول الله صلی الله عیله وسلم معهم مصعب بن عمیر بن هشام بن عبد مناف بن عبد الدار بن قصی و امره ان یقومه القرآن ، ویعلمهم الا سلام و یفقههم فی الدین " [۱۵]

(جب قوم انصار آپ کے پاس سے واپس جانے لگی تو آپ نے مصعب بن عمیر کو ان کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ ان کے قرآن کی اصلاح کریں ، ان کو اسلام کی تعلیم دیں اور انہیں دین میں ماہر بنائیں ۔)

(۱۰) آپ نے چند صحابہ کو جو لکھنے میں مہارت رکھتے تھے کتابتِ وحی پر مامور کیا تھا ۔ نبی کریم پر جب وحی نازل ہوتی ، آپ کسی کاتبِ وحی کو بلا کر اسے لکھوا دیتے ۔

(۱۱) عبد اللہ بن سعید بن العاص چونکہ عمدہ کتابت کیا کرتے تھے اس لیے ان کو مدینہ منورہ میں کتابت سکھانے پر مامور کیا گیا ۔ [۱٦]

---

[۱۵] ابن ہشام ، السیرة النبویة ، بیروت ، دار احیاء التراث العربی ، ج ۲ ، ص ٧٦ ۔ تدوین و تحقیق مصطفی السقا و دیگر ۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے معلم بھیجنے کا ذکر بیعت عقبہ ثانیہ میں کیا ہے ۔ حالانکہ معلم صرف بیعت عقبہ اولی میں بھیجا گیا تھا ۔ معلوم نہیں ڈاکٹر صاحب کو یہ مغالطہ

(۱۲) مسجد نبوی میں " صفہ " کے نام سے ایک چبوترہ بنا ہوا تھا ، مدینہ سے باہر سے آئے ہوئے حضرات وہیں قیام کرتے تھے جب کہ مدینہ منورہ میں مقیم طلبا وقتاً فوقتاً عارضی طور پر اس درس گاہ میں حاضر ہوتے اور درس میں شریک ہوتے ۔ اصحابِ صفہ کی تعداد مختلف زمانوں میں مختلف رہی ۔ اصحابِ صفہ کی تعلیم و تربیت کے یہ ثمرات مرتب ہوئے کہ ان حضرات نے قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ کو حرزِ جاں بنایا اور دنیا اور مافیہا سے بے نیاز ہوکر وہ صرف اسی شغل میں مشغول رہتے تھے ۔ صاحبِ حلیہ لکھتے ہیں :

" لم یحزنوا علی مافاتهم من الدنیا و لایفرحوا إلا بمآ أیدوا به من العقبیٰ " [۱۷]

(اصحابِ صفہ دنیا کی کسی چیز کے میسر نہ آنے پر غمگین نہ ہوتے تھے ۔ ہمیشہ اسی بات سے خوش رہتے جو ان کے لیے آخرت کا ذخیرہ بنتی ہے ۔)

ایک جانب ان کی اعلی تعلیم کا اہتمام تھا تو دوسری طرف ان کی ذہنی ، اخلاقی اور روحانی تربیت بھی کی جا رہی تھی کہ یہ حضرات امت کے لیے ایک نمونۂ عمل ثابت ہوں ۔

(۱۳) ہجرت کے دوسرے سال ۲ ، ہجری میں غزوۂ بدر کا معرکہ پیش آیا ۔ ستر سردارانِ قریش قید ہو کر مدینہ آئے ۔ ان کو فدیہ لے کر آزاد کر دینے کا فیصلہ کیا گیا جو حسبِ حیثیت ایک ہزار درہم سے چار ہزار درہم تک مقرر کیا گیا اور جن

کیسے ہوا ۔ دیکھیے ڈاکٹر حمید اللہ ،عہدِ نبوی کا نظامِ تعلیم ۔ [۱۶] ابن عبد البر ، الاستیعاب فی معرفة الاصحاب (۱٦۲۹) حیدر آباد ۔ دائرہ معارف ، ۱۳۱۸ ، ج ۱ ص ۲۹۳ ۔ [۱۷] ابی نعیم ، حلیة الاولیاء و طبقات الاصفیاء ۔ بیروت ، ۱۹۸۰ء ۔ ج ۱ ، ص ۳۳۸

لوگوں کی مالی حالت ایسی نہ تھی کہ یہ رقم ادا کر سکیں ، ان میں سے جو لوگ اہلِ علم تھے ، ان پر یہ پابندی عائد کی گئی کہ ان میں سے ہر شخص دس مسلمانوں کو تعلیم دے ۔ [18]

(۱۴) اہل نجد کی تعلیم و تربیت کے لیے آنحضرت نے ستر قراء کی ایک جماعت روانہ کی تھی جس کی بنا پر بیر معونہ کا واقعہ پیش آیا تھا ۔ [19]

(۱۵) شہرِ مدینہ میں مسجدِ نبوی کے علاوہ نو مساجد تھیں اور ہر مسجد قرآن و حدیث کی ایک مقامی درس گاہ تھی ۔ ان مساجد کا آپؐ گاہے بگاہے معائنہ بھی فرماتے تھے ۔ [20]

(۱۶) بعض اہم مسائل کو لکھوانے کا آپؐ نے خود بتاکید امر فرمایا ۔ اہلِ یمن میں سے ایک شخص ، ایک قتل کا مقدمہ لے کر نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے پاس آیا ، آپؐ نے جو فیصلہ فرمایا ، اُس نے اسے لکھوانے کی درخواست کی ۔ آپ نے صحابہ کرام کو حکم دیا :

" اکتبوا لابی فلان " [21]

(فلاں شخص کے لیے لکھ دو ۔)

یہ وہ چند اہتمامات تھے جو نظامِ تعلیم کو مستحکم بنیادوں پر قائم رکھنے کے لیے بارگاہِ الٰہی اور نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی جانب سے کیے گئے ۔ ان تمام انتظامات میں دو باتیں بنیادی نوعیت کی نظر آتی ہیں اور یہی بنیادیں

---

[18] الطبقات لابن سعد ۔ ج ۲ ، ص ۱۴ ، بحوالہ سیرۃ المصطفیٰ ج ۲ ۔ ص ۱۲۰ ۔ [19] صحیح بخاری ۔ ج ۲ ، ص ۵۸۵ ۔ باب غزوۃ الرجیع و رعل و ذکوان و بئر معونۃ ، کتاب المغازی و السیرۃ ۔ [20] ابن عبد البر ۔ کتاب العلم ۔ ص ۱۳ بحوالہ حمید اللّٰہ ، نظام تعلیم ۔ ص ۱۳ ۔ [21] صحیح بخاری ۔ جلد ۱ ۔ ص ۲۲ ۔ باب کتابۃ العلم کتاب العلم ۔

آگے چل کر صحابہ کرام کی سیرتوں میں بھی نظر آتی ہیں ۔

احکامِ الٰہی اور الفاظِ قرآن کی حفاظت

اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے بھی ایسے انتظامات کیے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی وحی میں قبل از نزول یا بعد از نزول کسی قسم کی تحریف اور رد و بدل نہ ہوسکے اور اس بات کا اعلان فرمایا :-

" إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون " (الحجر : ۹)

(ہم نے ہی ذکر (قرآن کریم) اتارا ہے ، ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے ۔)

اخلاق و کردار کی اصلاح

دوسری اہم بنیاد امت کے اخلاق و کردار کی اصلاح تھی ۔ ہر مرحلے اور ہر موقع پر اس کا اہتمام تھا کہ امت کے کسی فرد کے اخلاق میں کوئی نقص ، کمی یا کجی نہ رہے ۔

ان دو بنیادوں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نظامِ تعلیم استوار کیا ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ صحابہ کرام نے ان بنیادوں پر عمارت قائم کرنے کے لیے کیا انتظامات کیے اور نظامِ تعلیم کو کس منہج پر مرتب کیا ۔

نظامِ تعلیم صحابہ کے دور میں

صحابہ کرام نے اس نظامِ تعلیم کو مستحکم کرنے کے لیے جو انتظامات کیے تھے ، انہیں بنیادی اعتبار سے دو انواع میں منقسم کیا جا سکتا ہے ۔

حفظ و کتابتِ علم

قریش مکہ اعلیٰ امتیازی قوت حافظہ کے مالک تھے ۔ قبل از اسلام اپنی اس قوت کو وہ جن امور میں صرف کرتے تھے ، وہ یہ تھے :

(الف) بتوں کے نام ۔ ہر قبیلے کا اپنا علیحدہ بت ہوتا تھا ۔ ان سب کے نام مع قبائل وہ یاد رکھا کرتے تھے ۔

(ب) گھوڑوں کے نسب نامے - اپنے پالتو گھوڑوں کے حسب نسب حفظ کیا کرتے تھے -

(ج) اشعار یاد کرنے کا ملکہ انہیں حاصل تھا اور ایک ہزار اشعار پرمشتمل ایک دیوان حفظ کر لینا ان کے لیے معمولی امر تھا -

اگرچہ یہ تمام امور بذاتہ اپنے اندر صفت حسن نہیں رکھتے ، لیکن اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ قریش مکہ امتیازی حد تک قوتِ حافظہ کے مالک تھے - حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کے بعد انہوں نے اپنی اس امتیازی قوت کا رخ احکامِ الٰہی اور تعلیماتِ نبوی کے تحفظ کی طرف موڑ لیا۔ اصحابِ صفہ اور دیگر صحابہ کرام ہمہ وقت قرآنی آیات یاد کرتے ، آپ کے اقوال کا مذاکرہ کرتے اورآپ کی حیاتِ مبارکہ ، عادات و اخلاق کا بغور مطالعہ کرتے - اس ضمن میں صحابہ کی قوتِ حافظہ کے متعدد واقعات مؤرخین اور ائمۂ اسماء الرجال نے نقل کیے ہیں ، جن میں سے ایک کا ذکر بطور مثال کافی ہو گا ، جیسے امام حاکم نے المستدرک میں نقل کیا ہے -

" ایک مرتبہ مروان نے حضرت ابوہریرہ کا امتحان لینا چاہا - اس نے ایک کاتب کو پس پردہ بٹھا دیا اور ابوہریرہ سے ایک خاص موضوع پر احادیث دریافت کرنا شروع کیں - وہ بیان کرتے جاتے اور کاتب در پردہ انہیں لکھتا رہتا - دوسرے سال پھر انہوں نے اسی طریقے سے حدیثیں پوچھیں - دوسرے سال بھی آپ نے بلا کم و کاست اسی طرح حدیثیں بیان کر دیں ، جس طرح گذشتہ سال بیان کی تھیں - حتیٰ کہ ترتیب میں بھی کوئی فرق نہ آیا " [۲۲]

حفظ کے علاوہ صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں قلیل تعداد میں اور پھر آپ کے

---

[۲۲] حاکم نیشا پوری - المستدرک - حیدر آباد - دائرۃ المعارف ، ۱۳۳۱ھ - ج ۳ ، ص ۵۱۰ - کتاب معرفۃ الصحابۃ ، امام حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے -

وصال کے بعد بکثرت مجموعہائے حدیث تالیف کیے ۔ صحابہ کرام سے تابعین کو جو احادیث منتقل ہوئیں وہ اکثر و بیشتر اسی نہج پر ہوئیں کہ کوئی صحابی اپنے ہی تالیف کردہ مجموعے کا درس تابعین کو دیتے ۔ اس طرح تعلیم و تدریس کی وہ فضا جس کی ابتدا نبی کریم کے زمانۂ حیات میں ہوئی تھی ،خلفائے راشدین کے زمانے میں نہ صرف برقرار رہی بلکہ اس میں مسلسل اضافہ ہوتا گیا ۔

عملی نمونہ

حفظ و کتابت کے علاوہ اس نظامِ تعلیم کو مستحکم کرنے میں صحابہ کرام کی عملی زندگی کو اساسی حیثیت حاصل ہے ۔ کیونکہ صحابہ کی زندگیاں دراصل نصابِ تعلیم ، قرآن و سنت کا عملی پیکر اور نمونہ تھیں ۔ کوئی بھی صحابی انفرادی یا اجتماعی سطح پر کسی عمل میں قرآن و سُنت کی خلاف ورزی نہ اپنی طرف سے گوارہ کرتا تھا اور نہ دوسرے کی طرف سے ۔

اس دور کے نظامِ تعلیم میں قرآن اور حدیث لازمی مضامین کی حیثیت رکھتے تھے ۔ دیگر علوم مروجہ میں سے کوئی علم یا فن طالبِ علم اپنی دلچسپی ، خاندانی پس منظر اور اپنے آبائی پیشے سے تعلق کی بنیاد پر اختیار کرتا ۔ ان علوم و فنون میں تقسیمِ ترکہ ، گھڑ سواری ،نیزہ بازی ، فنِ تجارت ، ریاضی ، طب ، عسکری فنون ، ہیئت ، انساب اور علم التعلیم شاملِ نصاب تھے ۔ لیکن نصاب کی نہ کوئی مقدار متعین تھی نہ مدتِ تعلیم ۔ عموماً ایک شاگرد یا چند تلامذہ سفر و حضر میں اپنے شیخ کے ہمراہ رہتے اور تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری رہتا ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ حیات میں ہر مسئلے میں ہر شخص کا مرجع نبی کریم ہوتے تھے ۔ آپ ہر سوال کا جواب ہدایاتِ ربانی کی روشنی میں ارشاد فرماتے یا اگر اس مسئلے کا حل ابھی نازل نہ ہوا ہوتا تو وحی کے نزول تک انتظار کا حکم فرما دیتے ۔ بعض اوقات اسی وقت بذریعہ وحیِ متلو یا غیر متلو آپ پر اس سوال کا جواب نازل کر دیا جاتا

اور بعض مواقع پر کچھ توقف کےبعد وحی کےذریعےهدایت رہنمائی بھیج دی جاتی ـ لیکن نبی کریم کے بعض ارشادات سے اس بات کا بخوبی علم ہوتا ہے کہ آپ کی غیر موجودگی میں یا آپ کے وصال کے بعد کسی مسئلے کے حل کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے ـ

حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا جا رہا تھا ، کسی مسئلے کے حل کے لیے نبی اکرم نے ان سے ترجیحات پوچھیں ـ حضرت معاز نے ترجیحات بیان کیں ـ

١ ـ قرآنِ کریم
٢ ـ سُنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
٣ ـ قیاس

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور فرمایا ـ
"الحمدللہ الذی وفق رسول رسول اللہ لمایحب ویرضیٰ رسول اللہ" ٢٣ـہ
(خداکاشکر ہے کہ اس نے اللہ کے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی ، جس سے اللہ کا رسول راضی ہوا ـ)

خلفائے راشدین کے دور میں جب ایسے مسائل پیش آتے کہ جن کا واضح حل قرآن و سنت میں نہ ملتا تو قیاس کیا جاتاـ اس طرح علم فقہ بھی خلفائے راشدین کے دور میں منصۂ ظہور پر آچکا تھا ـ

حضرت عمر فاروق کے دور میں فتوحات کی کثرت کی بنا پر علومِ قرآن کے وسیع حلقہائے درس قائم کیے گئے ـ حضرت عثمان غنی کے دور کے نظام تعلیم میں دو چیزوں کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی :ـ

(١) حفاظت و تدوین قرآن کریم

قرآن کریم کو جو مختلف نوشتوں کی صورت میں تھا ، جمع کیا گیا اور مختلف نسخے مرتب کروانے کے بعد مملکت کے مختلف حصّوں میں بھیج دیے گئے تاکہ قرآن کریم کی تلاوت اور تفہیم میں امت کسی قسم کی غلطی میں مبتلا نہ ہو ـ

٢٣ـہ سنن ابو داؤد ، بیروت ـ دارالفکر ، ج ٣ ، ص ٣٠٣
کتاب الاقضیة ، باب فی اجتهاد الرأی فی القضاء ـ

(۲۰) کبار صحابہ کی خدمات

علوم قرآن و تعلیماتِ نبویہ کی حفاظت و تدوین کی خاطر کبار صحابہ کو مرکز خلافت ، مدینہ منورہ میں جمع رکھا اور مملکتی امور کا مسئول صغار صحابہ کو بنایا ۔ ان کی اس پالیسی کو ظاہری نظر سے دیکھنے والوں نے ان پر اعتراض بھی کیے ۔ [۲۳]

اموی دور

خلفائے راشدین کے بعد بنوامیہ حکمران ہوئے ، ان کی حکومت ۴۱ ھ تا ۱۳۲ ھ (۶۶۱ء تا ۷۵۰ء) قائم رہی ۔ پہلی صدی کے اواخر اور دوسری صدی کی ابتدا میں علوم کی ترتیب ، تدوین اور ان کی اشاعت میں تنظیم اور سرگرمی آ گئی ، علوم کی مختلف انواع سامنے آنے لگیں اور طالبان و تشنگانِ علم میں خاطر خواہ اضافہ ہونے لگا ۔ نصابِ تعلیم جو اب تک نصابی زمانی تحدید سے آزاد تھا ، نصاب و زمانہ کی تقیید میں مقید ہونے لگا ۔ اسلام کی اشاعت و تبلیغ کی بنا پر اہلِ عجم کثرت سے حلقہ بگوشِ اسلام ہو رہے تھے ۔ ان کو عربی زبان میں طاق کرنے کے لیے علومِ صرف و نحو بھی معرض وجود میں آئے ، کیونکہ عربی زبان میں مہارت کے بغیر قرآنی احکام اور نبوی فرمان کا سمجھنا ان کے منشا کا صحیح ادارک اور ان کے مصداق کا قطعی علم ممکن نہیں ۔ ایک جانب اعاجم کی کثرت کی وجہ سے یہ علوم معرضِ وجود میں آئے ، دوسری جانب پہلے سے موجود علوم میں ترتیب و تدوین آنے لگی ۔ بقول ابن خلدون :-

> " عرب اس بنا پر کہ قرآن کریم اور صاحبِ شریعت ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرب تھے ، وہ ان سے سنے ہوئے احکام سینہ

---

[۲۳] عہدِ نبوی اور صحابہ کرام کے عہد کے نظام تعلیم کے بیان میں اختصار سے کام لیا گیا ہے صرف چند بنیادی نوعیت کی چیزیں عرض کی گئی ہیں ۔

بسینہ منتقل کر رہے تھے ، لیکن اعاجم کے
مقابلے پر اپنے تقوی اور فطری میلانات کی
بنا پر نہ وہ تعلیم ، ترتیب اور تدوین کے
قائل تھے اور نہ اس کی ضرورت محسوس کی"۔ ؎۲۵

لیکن بعد ازاں اعاجم کے عرب میں کثرتِ اختلاط سے علوم و فنون میں ترتیب و تدوین نظر آنے لگی ۔ پھر جوں جوں نبی کریم کا زمانہ بعید تر ہوتا چلا گیا ، روایات کی صحت و ثقاہت کو جانچنے کے لیے علم جرح و تعدیل کے علاوہ سیرت کے مختلف پہلو سامنے آنے لگے ۔ اس دور میں علوم کی اشاعت میں اس سرگرمی کا سہرا حضرت عمر بن عبد العزیز کے سر ہے جنہوں نے اہلِ علم کو اس طرف متوجہ کیا اور بقول خطیب :

" کان الزہری أول من استحاب لطلب خلیفة عمر بن عبد العزیز فدون لہ السنن فی دفاتر ۔ ثم و زع علی کل أرض لہ علیھا سلطان دفترا و اجمع العلماء علی أنہ کان أول من دون السنة " ؎۲۶

(زہری پہلے شخص ہیں جنہوں نے عمر بن عبد العزیز کے فرمان کے مطابق حدیث کے دفاتر مدون کیے اور پھر خلیفہ نے وہ تمام دفاتر اپنی زیر نگیں سلطنت میں تقسیم کیے۔اہلِ علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زہری پہلے شخص ہیں جنہوں نے سنت کی تدوین کی ۔)

اس لحاظ سے زہری اس دور میں سیرت و مغازی کے بانی قرار دیے گئے ۔ یونانی علوم منطق و فلسفہ کے عربی تراجم کرائے گئے ۔ لغت ، معانی اور اسماء الرجال جیسے علوم اسی دور میں منصۂ ظہور پر آئے ۔ اس زمانے میں مراکزِ علم مدینہ منورہ ، مکہ مکرمہ اور کوفہ تھے ۔ ؎۲۷

؎۲۵ ابن خلدون ۔ مقدمہ ابن خلدون ۔ بیروت ، دارمکتبة الہلال ، ۱۹۸۳ء ۔ ص ۳۳۷

؎۲۶ الخطیب ، محمد العجاج ، السنة قبل التدوین،قاہرہ ، ۱۹۶۳ء ۔ ص ۳۹۴

عباسی دور

خاندان بنو امیہ کے زوال کے بعد بنو عباس مسندِ اقتدار پر فائز ہوئے ۔ ان کا دور حکومت ۱۳۲ ھ تا ۶۵۶ (۷۵۰ء تا ۱۲۵۸ء) ہے ۔ اس طویل مدت میں علوم میں بیش ازبیش ترقیاں ہوئیں ۔ نظام تعلیم کی تدوین و تنظیم کا عملی خاکہ ونمونہ سامنے آیا ۔ تعلیمی اداروں کا تصّور زندہ ہوا اور نئے علوم جن میں ریاضی ، سائنس ، جغرافیہ اور تاریخ شامل تھے معرض وجود میں آئے ۔

اس دور کا سب سے اہم اور تاریخی کارنامہ سب سے بڑے اور سب سے پہلے تعلیمی ادارے " بیت الحکمت " کا قیام تھا ۔ خلیفہ مامون الرشید نے یہ ادارہ ۲۱۵ ھ / ۸۳۰ء میں قائم کرایا ۔ ابتداً یہ صرف دارالترجمۃ کی حیثیت میں تھا اوراس میں طب ، منطق اورفلسفے کی کتب کے یونانی سے عربی میں تراجم کیے جاتے تھے ۔ بعدازاں ترقی کر کے یہ ایک عظیم تعلیمی ادارہ بن گیا ۔ اس کے نصاب و نظام تعلیم کو چار حصّوں میں تقسیم کیا گیا تھا :۔

(۱) شرعیات :

اس شعبے میں تفسیر ، حدیث ، فقہ ، عقائد و کلام اور سیرت و مغازی کے علوم پڑھائے جاتے تھے ۔

(۲) ادبیات :

اس شعبے میں لسانیات ، قواعد ، انشا پردازی اور تاریخ ادب کے نصاب شامل تھے ۔

(۳) ریاضیات :

اس کلیہ میں ہندسہ ، جبر و مقابلہ اور حساب ، ہیئت موسیقی ، سیاسیات ، معاشیات اور اخلاقیات کی تدریس ہوتی تھی ۔

(۴) عقلیات :

---

۲۷ ۔ بختیار حسین صدیقی ۔ مسلمانوں کے تعلیمی فکر کا ارتقا ، لاہور ، ادارہ ثقافت اسلامیہ ، ۱۹۸۳ء ۔ ص ۲۷

اس شعبے میں منطق ، جدلیات ، مابعد الطبعیات جنرل سائنس ، علم الأدویة اور علم کیمیا کے ماہرین تیار کیے جاتے تھے ۔ [۲۸]

بیت الحکمۃ نے اداروں کے قیام کی جو طرح ڈالی تھی ، فاطمیوں نے بھی اس کی نقل کی اور ۳۹۵ ھ / ۱۰۰۵ء میں " دار الحکمۃ " کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا [۲۹]

پانچویں صدی ہجری (گیارھویں صدی عیسوی) میں ، نظام الملک کے دور میں نظام تعلیم میں ترقیاں دیکھنے میں آئیں ۔ نظام الملک نے بغداد کے علاوہ بلخ ، نیشا پور ، ہرات ، اصبہان ، بصرہ ، مرو ، آمل ، طبرستان اور موصل میں مدارس قائم کیے ۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ عراق اور خراسان کے ہر شہر میں اس نے ایک مدرسۃ قائم کیا تھا ۔ [۳۰]

چھٹی صدی ہجری (بارھویں صدی عیسوی) میں صلیبیوں کا فتنہ کھڑا ہوا ۔ نور الدین ابو القاسم محمود بن عماد الدین زنگی نے اس تحریک کا بھرپور مقابلہ کیا ۔ نور الدین زنگی نے ایک جانب بزور شمشیر ان کا مقابلہ کیا تو دوسری جانب علمی میدان میں شہسواران علم تیار کرنے کا اہتمام کیا ۔ نور الدین کے متعلق لکھا جاتا ہے ۔

" علم ینفق أموالہ الا لنفع العامۃ بنی دوور العلم والبیمارستانات والمساجد ، کما انشاء فی دمشق دار الحدیث " [۳۱]

---

[۲۸] ایضاً ۔ ص ۳۵

[۲۹] اردو دائرہ معارف اسلامیہ ،لاہور ۔ دانش گاہ پنجاب ، ۱۹۷۱ء ۔ ج ۵ ، ص ۱۹۳ ۔ ذکر بیت الحکمت

[۳۰] السبکی ، ابو نصر عبد الوہاب بن تقی الدین ، طبقات الشافعیۃ الکبری ۔ بیروت ۔ دار المعرفۃ جلد ۳ ۔ ص ۱۳۷

[۳۱] الموسوعۃ العربیۃ المیسرۃ ۔ قاہرہ ۔ دار الشعب ، ۱۹۵۹ء ۔ ص ۱۸۵۷ ۔ ذکر نور الدین ابو القاسم محمود بن عماد الدین زنگی ۔ مرتب غربال محمد شفیق ۔

(انہوں نے اپنے اموال صرف منفعت عامہ کے لیے خرچ کیے ، علمی درسگاہیں ، مراکز صحت اور مساجد تعمیر کیں ، جیسے کہ دمشق میں ایک عظیم دارالحدیث قائم کیا ۔)

اس عظیم دارالحدیث کے علاوہ نورالدین زنگی نے دمشق میں ۵ مزید مدارس ، حلب میں ۴ ، حماہ ، حمص اور بعلبک میں ایک ایک مدرسۃ قائم کیا ۔ [۳۲]

اس طرح دور عباسی علوم کی ترویج ، نظام تعلیم میں ترقی کا ایک سنہری دور تھا ۔ مکۃ مکرمۃ ، مدینۃ منورۃ اور بصرۃ و بغداد سے یہ علوم شائع ہو کر برصغیر میں داخل ہوئے ۔

برصغیر میں نظام تعلیم

پہلی صدی کی آخری دہائی میں محمد بن قاسم سندھ کے راستے سے برصغیر میں فاتح بن کر اپنی فوج ، عمال ورفقاء کے ہمراہ داخل ہوئے ۔ خلافتِ راشدہ اور پھر بعد کے ادوار میں بھی اس بات کا اہتمام تھا کہ مسلمان جس علاقے کو فتح کرتے ، سب سے پہلے وہاں کے لوگوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرتے ۔ کیونکہ مسلمانوں کی فتوحات سلطنت و مملکت میں وسعت یا اقوام و ملل کو غلام اور باندی بنانے کے جذبے کے تحت نہ ہوتی تھیں ، بلکہ منصبِ نبوت " لیظہرہ علی الدین کلہ " کی تکمیل اور غلبہ دین متین کے لیے ہوتی تھیں ۔ اور دراصل فتح اسی کا نام ہے کہ انسانوں کے قلوب پر فتح حاصل کی جائے ، ورنہ تاریخ میں ہلاکو اور چنگیز خان جیسے فاتحین کے نام بھی آتے ہیں جو اپنی بربریت کے بل بوتے پر کسی مکان پر تو قابض ہو گئے لیکن کسی مکین کے دل میں جگہ پیدا نہ کر سکے ۔ لیکن مسلمانوں نے جب سندھ کی سرزمین فتح کی تو اہلِ سندھ کے قلوب میں بھی گھر کیا اور اہلِ سندھ کی تعلیم و تربیت کا انتظام بھی شروع کیا ۔

ابتدائی دو صدیوں میں اگرچہ کوئی مستقل مرکزِ علم

---

۳۲ ۔ ڈاکٹر احمد شلبی ، تاریخ تعلیم وتربیت اسلامیہ ، ص ۵۴ تا ۶۲

قائم نہ ہو سکا ، لیکن درس و تدریس کا سلسلہ مختلف مقامات پر جاری رہا ۔ مسلمانوں کے علمی مرتبے اور اخلاقی مقام کی بنا پر اہلِ سندھ میں حصولِ علم کا ذوق پیدا ہوا ۔ کیونکہ قبل از اسلام برصغیر میں ہندو مت رائج تھا ۔ ہندو مت میں ہر طبقے کو علم حاصل کرنے کی اجازت نہیں تھی ، بلکہ ہندو سامراج کے مخصوص قبائل نے علم پر اپنا مستقل تسلط جمائے رکھنے کے لیے اقوام کو مختلف طبقات میں تقسیم کر دیا تھا اور برھمنوں کے سوا ہر قوم کے لیے حصولِ علم پرسخت سزائیں مقرر تھیں ۔ چنانچہ اسلام کے ساتھ ھی برصغیر میں چوتھی صدی ھجری (دسویں صدی عیسوی) میں دیبل ، منصورہ اور قصدار میں مراکز علم قائم ہوئے اور اشاعتِ علوم میں کسی قدر نظم و ضبط دیکھنے میں آیا ۔ منصورہ کے بارے میں صاحب معجم البلدان لکھتے ہیں کہ منصورہ میں مساجد اور مدارس کی کثرت ہے ۔ [۳۳] سندھ کی ان علمی خدمات نے رفتہ رفتہ ترقی کی منازل طے کیں اور برصغیر کے دوسرے خطے بھی علم کے انوار سے منوّر ہونے لگے ۔ لیکن کسی واضح نظام تعلیم کے نہ ہونے کی وجہ سے برصغیر علم و تدریس میں خود مختار نہ تھا اور اعلٰی تعلیم کے حصول کے لیے برصغیر کے باشندوں کو بغداد و بصرہ کے سفر کی تکلیفیں برداشت کرنا پڑتی تھیں ، علم کے حصول سے ترتیبِ اخلاق کی صورت میں جن ثمرات و نتائج کا پایا جانا ضروری تھا ، نہیں پائے جاتے تھے ۔ چوتھی صدی ھجری کے آخری دھائی ، ۳۹۵ ھ/ ۱۰۰۴ء میں سادات بخارا میں سے ایک محدث بخارا سے ھجرت کر کے لاہور سکونت پذیر ہو گئے اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا ۔ یہ سلطان محمود غزنوی کا زمانہ تھا ۔ ابھی لاہور فتح نہ ہوا تھا ۔ بخارا کے ان محدث کا درس اس قدر موثر ہوتا تھا کہ اس کے ذریعے ہزاروں لوگ رشد و ھدایت پا کر ان کے دستِ مبارک پر مسلمان ہو گئے ۔ [۳۴] اس طرح سلطان محمود غزنوی کی آمد سے قبل ھی

---

[۳۳] یاقوت ، ابوعبداللہ بن عبداللہ الحموی ، معجم البلدان ، بیروت ، دار الاحیاء التراث العربی ، ج ۵ ، ص ۲۱۱

لاہور میں علم کی ایک شمع روشن ہو چکی تھی ۔ سلطان مسعود کے زمانے میں غزنی کے شیخ علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ لاہور آئے اور درس و تدریس سے علوم کی اشاعت شروع کر دی ۔ [٣٥]

٥٧٠ ھ/ ١١٧٥ء میں شہاب الدین غوری نے ملتان فتح کیا اور ٥٨٧ ھ / ١١٩٢ء میں وہ اجمیر پہنچا ۔ اجمیر ہندومت کا ایک بڑا مرکز تھا ۔ غوری نے اجمیر میں اسلامی علوم کے فروغ اور ان کی ترقی کے لیے متعدد مدارس قائم کیے ۔ محمد غوری کے بعد برصغیر پر خاندان غلاماں برسراقتدار ہوا ۔ قطب الدین ایبک اور شمس الدین التمش حاکم ہند ہوئے ۔ ان دونوں حاکموں نے بھی علم و ادب کی اشاعت کے لیے کثیر تعداد میں مدارس قائم کیے ۔ بلبن کے زمانے میں علمی ترقی دیکھنے میں آتی ہے ۔ بلبن کے زمانے میں بڑے بڑے صاحب کمال کشاں کشاں آئے اور درس و تدریس کے چراغ روشن کیے ۔ خاندان غلاماں کے بعد خلجی اور پھر تغلق خاندان برسراقتدار آیا ۔ ان تمام خاندانوں نے اگرچہ علمی ترقی اور اشاعت کے لیے محنتیں اور کاوشیں کیں لیکن عام سطح پر تعلیم کی اشاعت نہ ہو سکی ، صرف تخت و دربار تک محدود رہی ۔

تعلیم و تدریس کا یہ منہج گیارھویں صدی ہجری (سولہویں صدی عیسوی) تک اسی طرح قائم و باقی رہا ۔ نظام تعلیم کی پختہ بنیادوں کے نہ ہونے اور علوم و معارف کے زیادہ عام نہ ہونے کی بنا پر عوام کی اکثریت علم دین سے محروم رہی ، صرف مخصوص و محدود لوگ جو دارالحکومت میں مقیم تھے یا دارالحکومت تک رسائی حاصل کر سکتے تھے ، علوم سے بہرہ ور ہو رہے تھے ، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ گیارھویں صدی کے

---

[٣٤] مولانا محمد انور شاہ کاشمیری ، مقدمہ انوار الباری شرح صحیح البخاری ، گوجرانوالہ ، ١٩٨١ء ۔ حصہ دوم ، ص ٩٥ تدوین احمد رضا بجنوری ۔

[٣٥] مولانا سید محمدمتین ہاشمی ۔ سیدِ ہجویر ۔ لاہور ۔ مرکز معارف اولیاء ، ١٩٨٥ء ۔ ص ١٧٧

آخری ربع ، ۹۸۹ ھ / ۱۵۸۱ء میں اکبر نے ابو الفضل کے مشوروں ، ھندو رانیوں کی دلجوئی اور راجپوت راجاؤں کی تالیفِ قلوب کی خاطر ھندومت ، عیسائیت اور خود ساختہ اسلام کے مجموعے سے ایک دین تیار کیا اور اس دینِ باطل کا نام " دینِ الٰہی " رکھا ۔ [۳۶]

مغلوں کے دورِ حکومت میں اورنگ زیب عالمگیر کے عہد کی تعلیمی ترقیاں تاریخ میں ایک نمایاں اور بلند مقام رکھتی ھیں ۔ لکھنؤ میں فرنگی محل کا دار العلوم (مدرسۃ نظامیۃ) اسی عہد کی ایک زرّیں یادگار ھے ۔ مُلّا نظام الدین فرنگی محل کا قائم کردہ یہ وہ دار العلوم ھے جو ۱۱۰۵ ھ/ ۱۶۹۳ء کو قائم ھوا اور اس نے برصغیر کے حالات اور یہاں پر بسنے والوں کے افکار کے مطابق ایک نصاب تشکیل دیا جو " درسِ نظامی " کے نام سے معروف ھے اور آج بھی تین صدیاں گزرنے کے باوجود مقبولِ عام ھے ۔

برصغیر پاک و ھند کے موجودہ مدارس میں یہ سب سے قدیم مدرسۃ ھے ۔ مدارس پاک و ھند اسی کے قائم کردہ نصاب ونظام تعلیم کے تحت علمی خدمات سر انجام دے رھے ھیں ۔ [۳۷]

مجدّد الف ثانی کے برپا کیے ھوئے انقلاب کو نقشِ دوام شاہ ولی اللّٰہ نے دیا ۔ شاہ ولی اللّٰہ کے عہد میں برصغیر میں تعلیماتِ اسلامی ، مربوط ، مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر قائم ھونے لگیں ۔ اس استحکام کے ثمرات یوں ظہور پذیر ھوئے کہ برصغیر میں اشاعتِ علم عام ھونے لگی اور اھلِ ھند کے لیے اب حصولِ علم کی خاطر بلاد عربیۃ کے سفر کی احتیاج کسی قدر کم ھو گئی ۔ علوم کی تنظیم و تالیف کا جو انقلاب شاہ ولی اللّٰہ نے برپا کیا تھا ، اس کے نتیجے میں تیرھویں صدی ھجری (انیسویں صدی عیسوی) میں برصغیر میں تعلیمی مراکز تیزی

---

[۳۶] اردو دائرۃ معارف ۔ ج ۹ ۔ ص ۵۶۳

[۳۷] مولانا قاری محمد طیب ۔ تاریخ دار العلوم دیوبند ، دیوبند ۔ ادارہ اھتمام دار العلوم ، ۱۹۷۷ء ۔ ج ۱ ، ص ۷۸

ترتیب و تدوین سیّد محبوب احمد رضوی

سے قائم ہونے لگے ـ

مسلمانوں کو علوم عصریہ جدیدہ سے متعارف و روشناس کرانے کے لیے " مسلم یونیورسٹی " علی گڑھ ۱۸۷۵ء میں قائم کی گئی [۳۸] اور مسلمانوں کو دینی و اسلامی علوم سے بہرہ ور کرنے کے لیے علوم دینیہ کی ایک درس گاہ دیوبند کے مقام پر " دارالعلوم " کے نام سے ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء میں قائم کی گئی [۳۹] ـ اس دور میں جو تعلیمی ادارے اور مراکز ہندوستان میں قائم ہوئے ، مورخین ، سیاحوں اور اہل علم نے ان کا خصوصیت و اہمیت کے ساتھ ذکر کیا ہے ـ ایک عرب سیاح انطاکی [۴۰] لکھتے ہیں :ـ

" وفی بلاد الهند عدد کبیر من الکلیات العلمیة مثل کلیة دیوبند وهی اکبر کلیة التدریس اللغة العربیة فی وسط الهند ، و کلیة کلکوتا ، والکلیة العثمانیة فی حیدر آباد الدکن و کلیة لکهنؤ ، و الکلیة الاسلامیة فی دلهی و کلیة علیکراه " [۴۱]

(ہندوستان کے علاقے میں علمی اداروں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے مثلاً دیوبند کا ادارہ جو وسط ہند میں عربی زبان کا سب سے بڑا ادارہ ہے ، مدرسہ کلکتہ ، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن ، لکھنؤ کا مدرسہ ، جامعہ اسلامیہ دہلی اور علی گڑھ کی یونیورسٹی ـ) .

ان تعلیمی اداروں میں تین ایسے ادارے تھے جو کسی نئے نظام تعلیم کو تخلیق کرنے والے تھے ـ ان میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جس کی بنیاد صرف عصری نظام تعلیم پر تھی ، دارالعلوم دیوبند جو صرف دینی علوم کے تدریسی نظام کے تحت منظر وجود میں آیا ـ یہ دونوں ایسے متوازی نظام تھے کہ جن

۳۸ـ اردو دائرہ معارف ، ج ۲/۱۴ ، ص ۱۰۵ ـ ذکر علی گڑھ

۳۹ـ مولانا قاری محمد طیب ، کتاب مذکورہ ، ج ۱ ـ ص ۱۵۵

۴۰ـ انطاکی نے سفر ہند غالباً بیسویں صدی کی ابتداء میں کیا

۴۱ـ فتح اللہ انطاکی ـ الهند کما رأیتها ـ مصر ـ مطبعة و دیع ابو فاضل ، ۱۹۲۳ء ـ ص ۷۵

کے درمیان ربط و ارتباط مفقود تھا ، چنانچہ اس ربط کو پیدا کرنے کے لیے ۱۹۲۰ء میں علی گڑھ میں جامعہ ملیہ کے نام سے ایک ادارہ قائم ہوا جس نے عملی کام ۱۹۲۵ءمیں دھلی میں شروع کیا [۲۲] ۔ جامعہ ملیہ نے ان دونوں نظامہائے تعلیم کو ملانے کی سعی و جہد کی لیکن خاطر خواہ کامیابی نصیب نہ ہوئی ۔

ان تعلیمی مراکز کے قیام سے برصغیر میں اسلامی نظام تعلیم پائیدار بنیادوں پر قائم ہوا ۔ اب اس نظام تعلیم کی خصوصیات کا جائزہ لیا جائے گا ۔

نظام تعلیم کی خصوصیات

کسی نظام تعلیم خصوصاً اسلامی نظام تعلیم کی خصوصیات میں جو چیز اساسی و بنیادی حیثیت رکھتی ہے ، وہ علم و دانش میں فروغ و ترقی کے ساتھ ساتھ ذہنی تربیت و قلبی اصلاح کرنا اور فکری کج روی سے نجات دلانا ہے ۔ اگر کوئی نظام تعلیم انسانی ذہن و فکر کو ارتقا اور اس کے اندر احسن تبدیلیاں لانے پر قادر نہیں بلکہ محض کتابی علم تک محدود ہے ، وہ نظام تعلیم خواہ کسی بھی نظریہ کے ساتھ منسلک ہو کسی بھی فکر کا پرچار کرتا ہو ، کامیاب نظام تعلیم کہلانے کا مستحق نہیں ۔ اس کے مقابلے میں وہ نظام تعلیم کامیابی و کامرانی کے حصول کا ضامن کہلا سکتا ہے جو اپنے اندر ایسی انقلابی خوبیاں اور تاثیر رکھتا ہو جو ذہن انسانی اور اس کے فکر و دانش پر اپنا پائیدار اثر چھوڑے ۔ بلکہ اس کے اندر اس قدر اثر پذیری ہو کہ وہ نظام اس سے مستفید ہونے والوں کے اذہان میں فکری تبدیلیاں پیدا کرے ۔

محرم ۶ ھ میں محمد بن مسلمة انصاری کی قیادت میں ایک چھوٹی سی جماعت قرطاء روانہ کی گئی ۔ یہ جماعت فتح یاب

---

[۲۲] سید نوراللہ ۔ تاریخ تعلیم ہند ۔ کراچی ۱۱ ۔ ساؤتھ ایشین پبلشرز ، ۱۹۸۱ء ۔ ص ۳۹۹

ہوئی ۔ مالِ غنیمت کے علاوہ بنی حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو بھی قیدی بنا کر لایا گیا ۔ ثمامہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدِ نبوی میں ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا ۔ تین دن ثمامہ اس ستون کے ساتھ بندھا رہا ۔ اس اثنا میں نبی کریم کی مجالس تعلیم و دعوت اور آپ کے نظامِ تعلیم اور اس سے مستفید ہونے والوں کا بنظر غائر مشاہدہ کرتا رہا ۔ تیسرے دن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ کو آزاد کر دیا تو حاضرِ خدمت ہو کر اسلام قبول کیا اور عرض کیا :

" یا محمد ! واللہ ماکان علی الارض وجہ ابغض الیّ من وجہک ، فقد اصبح و جہک احب الوجوہ الیّ ، واللہ ما کان من دین ابغض الیّ من دینک ، فاصبح دینک احب الدین الیّ ۔ واللہ ما کان من بلد ابغض الیّ من بلدک ، فاصبح بلدک احب البلاد التی ۔ " [۳۳]

(اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بخدا مجھے آپ کے چہرے سے زیادہ نفرت کسی چہرہ سے نہ تھی ، لیکن اب آپ کا چہرہ میرے نزدیک محبوب ترین چہرہ ہے ۔ خدا کی قسم آپ کے دین سے زیادہ نفرت مجھے کسی دین سے نہ تھی ، اب آپ کا دین میرے لیے محبوب ترین دین ہے ۔ خدا کی قسم مجھے آپ کے شہر سے زیادہ نفرت کسی شہر سے نہ تھی ۔ اب آپ کا شہر میرے لیے محبوب ترین شہر ہے ۔)

یہ وہ ذہنی و فکری انقلاب تھا اور عقائد و نظریات کی اصلاح تھی جو ایسے شخص کو حاصل ہوئی جو اس نظامِ تعلیم سے براہِ راست منسلک نہ تھا ، نہ اس ملت و قوم سے تعلق رکھتا تھا ۔ یہ ایک کامیاب نظامِ تعلیم کی اساس و بنیاد ہے جو اس قدر بڑا اور اس قدر جلد انقلاب فکر و دانش میں برپا کرے اور ذہنی صلاحیتوں کے رُخ کو یکسر موڑ دے ۔ اس روشنی میں جب برصغیر کے اسلامی نظامِ تعلیم کا جائزہ لیا جاتا ہے تو

---

[۳۳] صحیح بخاری ۔ جلد ۲ ۔ ص ۶۲۷ ، ۶۲۸ ۔ باب وفد بنی حنیفہ ۔ کتاب المغازی

تین بنیادی و اساسی خصوصیات سامنے آتی ہیں :-

۱ - برصغیر میں جس وقت اس نظام تعلیم کو فروغ ملا ، مسلمان اپنے ملی تشخص ، ذہنی وقار ، دینی حمیت اور اسلامی شعار کو نظرانداز کرتے جا رہے تھے ـ کچھ انگریز کے رنگ میں اور کچھ ہندؤوں کے رنگ میں رنگے جا رہے تھے ـ برصغیر میں ایک جانب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے اور دوسری جانب دارالعلوم دیوبند نے مسلمانوں کے ملی تشخص اور دینی حمیت کو بیدار کیا اور جب اس جذبے کو ترقی ملی تو مسلمانوں نے اپنی علیحدہ مملکت کا مطالبہ کیا اور انگریز اور ہندو جیسی قوموں سے اپنے اس مطالبے کو منوایا اور ایک علیحدہ سلطنت حاصل کی ـ

۲ - علم کے فروغ و ترقی کے ساتھ ساتھ عملی و فکری تربیت اس طرح ظہور پذیر ہوئی کہ مزاج اور سیرت و کردار میں اعتدال نمایاں نظر آنے لگا ـ تبلیغ و اشاعتِ دین کا معتدل اسلوب اختیار کیا گیا اور علم و دانش کی ترقی کے باوجود سادگی اور تواضع کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا گیا ـ

۳ - اسلام مادی یا انسانی حوائج اور فطری ضروریات ختم نہیں کرتا ، بلکہ ہر دم ان کا نہ صرف لحاظ رکھا گیا بلکہ اپنے ان فطری احساسات و جذبات کو مٹانے اور ختم کرنے کی سختی سے ممانعت کی گئی ـ چنانچہ برصغیر کے نظام تعلیم میں بھی مادی ترقی سے ممانعت یا فطری ضروریات میں روکاوٹیں نہیں کھڑی کی گئیں ـ البتہ ہر مرحلے پر دین ، احکامِ الٰہی اور سنتِ نبوی کی حفاظت کی گئی اور اس کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کا بھرپور مقابلہ کیا گیا ـ [۴۲]

---

[۴۲] مولانا مفتی محمد شفیع ، دارالعلوم دیوبند اور اس کا مزاج و مذاق ، الرشید ، فروری ، مارچ ۱۹۷۶ء ، دارالعلوم دیوبند نمبر ، ص ۱۲۲

ان تین بنیادوں پر جب نظامِ تعلیم کو استوار کیا گیا تو علم و آگہی میں ترقی ، علماء ، فقہاء ، محدثین میں اضافہ اور درس گاہوں کی کثرت نظر آنے لگی ۔ علم کی اس ترقی اور تربیت کے اعلٰی مظاہر کا اہلِ عرب نے بھی مشاہدہ کیا اور اپنی تالیفات اور سفر ناموں میں اس کا ذکر کیا ہے ۔

" من الغریب الواقع ان حملة العلم فی الملة الاسلامیة اکثرهم العجم لا من العلوم الشرعیة و لا من العلوم العقلیة الا فی القلیل النادر و ان کان منهم العربی فی نسبته فهو عجمی فی لغته ۔ " [۲۵]

(عجائبِ عالم میں سے یہ چیز ہے کہ ملتِ اسلامیہ میں علوم کے ماہرین میں سے اکثر عجمی ہیں ، خواہ وہ علومِ شرعیہ ہوں یا علوم عقلیہ ، سوائے چند نادر لوگوں کے اور ان میں بھی جو لوگ نسب کے اعتبار سے عرب ہیں ، وہ اپنی زبان کے اعتبار سے عجمی ہیں ۔)

انطاکی اپنے سفر نامۂ ہند میں لکھتے ہیں :۔

" ان المسلمین فی بلاد الهند من اشد المسلمین فی العالم غیرة علی الدین الا سلامی الحنیف ، یعملون تماما لما جاءفی القرآن الشریف ، لا یحیدون عن اوامر اللہ عزوجل قید شعرة لا تفوتهم فی صلوتهم الفروض و النوافل ،قلوبهم عامرة بالایمان ممالم ارله مثلافی جمیع الممالک الشرقیة التی زرتها فی رحلاتی العدیدة " [۲۶]

(بلادِ ہند کے مسلمان غیرتِ ایمانی کے اعتبار سے اعلٰی درجے کی شدت کا مظاہرہ کرتے ہیں ۔ قرآن کریم کی تمام تعلیمات پر عمل کرتے ہیں ۔ اللہ کے احکام سے سر مو انحراف نہیں کرتے فرائض حتیٰ کہ نوافل پابندی سے ادا کرتے ہیں ۔ ان کے دل ایمان کی دولت سے ایسے منوّر دیکھے ہیں کہ ممالک مشرقیہ کے متعدد سفروں میں کسی مقام پر نہیں دیکھے ۔)

---

[۲۵] ابن خلدون ۔ مقدمہ ۔ ص ۵۴۳

[۲۶] انطاکی ۔ الهند کما رأیتها ۔ ص ۲۱

پاکستان میں اس وقت دو قسم کے تعلیمی ادارے علم و آگہی کی اشاعت میں ہمہ وقت مشغول ہیں ۔ دونوں قسم کے یہ ادارے اپنے اپنے میدانِ عمل میں نمایاں خدمات سرانجام دے رہے ہیں ۔ لیکن ان دونوں اقسام کے اداروں میں باہمی ربط کا فقدان پایا جاتا ہے ۔ دینی تعلیمی ادارے دنیاوی علوم سے بے نیاز اور عصری علوم کے ادارے دینی علوم سے عاری نظر آتے ہیں ۔ اس طرح ملک میں دو متوازی نظامہائے تعلیم کام کر رہے ہیں ۔ اس سلسلے میں کچھ تجاویز پیش کی جاتی ہیں:

(۱) دینی تعلیمی اداروں کو عصری و وقتی تقاضوں سے روشناس کرانے اور دین کے خلاف اٹھنے والے جدید فتن کا مقابلہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس نصاب میں جدید سائنس ، جغرافیہ ، تقابلِ ادیان اور دنیا میں رائج مختلف نظامہائے زندگی کی خصوصیات اور تاریخ شامل کی جائیں ۔

(۲) دینی مدارس سے فارغ التحصیل ہونے والے علماء کو تحقیق ، تالیف ، تبلیغ دین اور خطابت کی تربیت دی جائے جس کے ذریعے وہ عمدہ محقق ، اعلٰی مولف ، بہترین مبلغ اور بلند پایہ خطیب بن سکیں ۔ ان کے اندر دقتِ نظر اور صلاحیت پیدا کر کے ان کے اذہان و افکار کی ایسی تربیت کی جائے کہ وہ دین پر وارد ہونے والے اعتراضات و سوالات کو خندہ پیشانی سے سنیں اور علمی انداز میں دلائل کے ساتھ ان کی تردید کریں ۔ تردیدی انداز میں ہمیشہ قول غلط کی تردید کریں نہ کہ قائل کی ۔

(۳) دینی مدارس کے نصاب کی تدریس کے طریق کار میں بعض اہم تبدیلیوں کی ضرورت ہے ۔ خصوصاً کتبِ فقہ میں عموماً طویل کتب شاملِ نصاب ہیں جو تعلیمی سال میں محض مسائل عبادات تک پڑھائی جاتی ہیں ، معاملات کے مسائل پڑھانے کی نوبت نہیں آتی ۔ معاملات کے مسائل خصوصیت سے پڑھائے جائیں ۔

(۴) اسلامی نظامِ تعلیم کی بنیاد عموماً درس نظامی کے مروج نصاب پر ہے جو اس وقت کے طلبا کی ذہنی و فکری

صلاحیتوں ، وقت کی اھم ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر بنایا گیا تھا ۔ ضرورت اس بات کی ھے کہ موجودہ دور کے طلبا کی ذھنی و فکری صلاحیتوں اور دینی ضرورتوں کو پیشِ نظر رکھ کر نصاب میں کچھ تبدیلیاں کی جائیں ۔ اس طرح نظام کی افادیت میں خاطر خواہ اضافہ ھوگا ۔

(۵) برصغیر میں رائج اسلامی نظامِ تعلیم کی خصوصیات کے ضمن میں ذکر کیا گیا ھے کہ دین اسلام مادی علوم اور مادی ترقی میں مانع نہیں ۔ دینِ اسلام انسان کی فطری ضرورتوں کے پورا کرنے کی نہ صرف اجازت دیتا ھے بلکہ بتاکید حکم دیتا ھے ۔ چنانچہ اھلِ فنون کا تیار ھونا جو انسان کی مختلف ضرورتیں پوری کرتے ھیں ، تعلیمات اسلامی کے نزدیک نہ صرف جائز بلکہ ایک حد تک واجب ھے ۔ ان عصری علوم کو اور اس کے نظام کو بآسانی اسلامی رنگ دیا جا سکتا ھے کہ سکول ، کالج اور یونیورسٹی ھر سطح پر علوم اسلامی کی تعلیم اور ساتھ ساتھ دینی و فکری تربیت مرحلہ وار کی جائے ۔ " اسلامیات " کا مروجہ نصاب اس سلسلے میں ناکافی ھے ، اس کو وسعت بھی دی جائے اور اس کے معیار کو بلند تر بھی کیا جائے ۔

(٦) طلبا کو تاریخ و تحریکِ پاکستان سے کتب ، لیکچر اور فلموں کے ذریعے روشناس کرایا جائے ۔ ان کے اندر ملک سے محبت کے جذبات کو اجاگر کیا جائے تاکہ وہ آئندہ زندگی میں معمارانِ مملکت اور محافظانِ نظریۂ پاکستان بن سکیں ۔

(۷) منفی سیاسی قوتوں کو تعلیمی اداروں اور طلبا سے دور رکھا جائے اور اس بات کی کڑی نگرانی کی جائے کہ منفی سیاسی نظریات ، قوت یا جماعت براہِ راست یا بالواسطہ طلبا پر اثرانداز نہ ھونے پائے جو طلبا کی فکری ناپختگی کی بنا پر ان کے جوانی کے جذبے کو غلط رخ پر ڈال کر اپنا مفاد حاصل کرے ۔ البتہ طلبا میں غیر نصابی سرگرمیوں کی ترقی اور ان کے جائز حقوق کی حفاظت کے لیے ان میں محدود جماعتوں (Societies) کا وجود ضروری ھے ، جس کے معدودے چند عہدیدار ھوں اور ان کا انتخاب ان کی تعلیمی

قابلیت کی بنیاد (Merit) پر کیا جائے ، نہ کہ حامیوں کے اعداد و شمار پر ۔ یہ محدود جماعتیں طلبا کے جائز مطالبات و حقوق پُر امن طریقے سے قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے پورے کرائیں ۔

(۸) سکول ، کالج اور یونیورسٹیز کے طلبا کی ذھنی و فکری تربیت اس انداز سے کی جائے کہ ان کے دل میں دین اسلام کی عظمت ، ملک کی محبت اور قوم کا درد بحربیکراں کی طرح موجزن ہو ۔

(۹) بچوں کی ذھنی و فکری نشوونما کے لیے احادیث اخلاقیات ، تاریخ اسلام ، سیرت النبی اور صحابۂ کرام کی زندگیوں پر سہل اور عام فہم انداز میں خوبصورت اور دیدہ زیب شکل میں کتابیں شائع کی جائیں ، جن کی طرف بچّے کشش محسوس کریں ۔ ان کتابوں کا اسلوب آسان ہونے کے ساتھ ساتھ دلچسپ بھی ہو ۔

(۱۰) " کیسٹ کہانی " کے طرز پر قرآن کریم میں انبیا کے جو قصص و واقعات بیان کیے گئے ھیں ، ان کی کیسٹ اور ساتھ ساتھ کتابیں تیار کی جائیں ، لیکن اس سلسلے میں اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ قرآن کریم میں بیان کیے گئے واقعات پر انحصار کیا جائے ۔ اس کا صحیح اور آسان مفہوم بیان کیا جائے اور آخر میں عبرت و سبق کے پہلو کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا جائے ۔

(۱۱) پرائمری کی سطح تک قرآن کریم کی تعلیم صحیح تلفظ کے ساتھ اور میٹرک تک مکمل قرآن کریم کے ترجمے کو شاملِ نصاب کیا جائے اور ساتھ ساتھ دین کے بنیادی عقائد اور اھم مسائل کی بھی تعلیم دی جائے ۔

(۱۲) مکمل قرآن کریم کا آسان اور عام فہم زبان میں ترجمہ کیا جائے کہ جو ھمارے سکول کی ثانوی جماعتوں کا طالب علم بآسانی سمجھ سکے ، اگرچہ اس سلسلے میں چلڈرن قرآن سوسائٹی (Childern's Quran Society) خدمات سرانجام دے رھی ھے ، لیکن غالباً وسائل کی کمی کی بنا پر وہ طباعت کا مطلوبہ معیار مہیا نہیں کرتی ۔

اگر نظام تعلیم ایسے خطوط پر مرتب کیا جائے کہ اس نظام سے منسلک افراد خواہ وہ کسی بھی شعبۂ زندگی سے تعلق رکھتے ہوں ، مخلص مسلمان ، قوم کے خیرخواہ اور وطن سے محبت کرنے والے ہوں تو اسلامی نظام تعلیم کے قیام میں یہ سب سے بڑی کامیابی ہوگی ۔